دار الافتاء
فتویٰ نمبر 96/1887
مورخہ

استفتاء

السلام علیکم ورحمتہ اللہ!

میں ایک مزاح نگار ہوں۔ روزنامہ اسلام میں "8 کھیلیاں" اور "ذرا سی بات" کے عنوان سے دو کالم لکھتا ہوں۔ میں کوئی بات سن کر یا دیکھ کر اسے اپنے تخیل کے ذریعے فرضی واقعے کی شکل دے دیتا ہوں یہ واقعہ بعینہ اسی طرح وقوع پذیر نہیں ہوا ہوتا بلکہ میری ذہنی اختراع ہوتی ہے کردار بھی فرضی ہوتے ہیں جن میں متکلم کے طور پر "میں" یا "ہم" کی ضمیر بھی استعمال کرتا ہوں۔ بعض اوقات واقعہ ہوتا بالکل حقیقی ہے مگر کسی مصلحت کے تحت میں اس کو فرضی کرداروں کے ذریعے بیان کرتا ہوں۔ اس "مصلحت" میں ریاکاری سے بچنا، کسی کی دل آزاری سے بچنا، غیبت یا تمسخر سے بچنا، بزرگوں کے سُوءِ ادب سے بچنا وغیرہ میں سے کچھ بھی ہوسکتا ہے۔

میں کس طرح مزاح کا پہلو نکالتا ہوں اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ عموماً مسجد میں نمازیوں کے موبائل بج اٹھتے ہیں اور مختلف قسم کی رِنگ ٹونز کی وجہ سے مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہوجاتی ہے۔ اس تناظر میں محض اپنے تخیل سے میں نے درج ذیل واقعہ تراشا۔

"میرے دوست عاقل خان صاحب مسجد کے استنجا خانے میں جانے لگے تو ان سے پہلے بہت بڑی توند والا آدمی داخل ہوگیا۔ وہ اپنی باری کے انتظار میں باہر کھڑے ہوگئے لیکن تھوڑی دیر بعد گھبرا کر مسجد سے باہر نکلتے دکھائی دیئے کیونکہ استنجا خانے کے اندر سے نوزائیدہ بچے کے رونے کی آواز آنے لگی تھی۔۔۔۔"

۲۔ اخبار میں خبر پڑھی کہ ایک کالم نگار کی بیوی فوت ہونے پر شہباز شریف صاحب تعزیت کیلئے اس کے گھر تشریف لے گئے۔ میں نے اس سے درج ذیل فرضی واقعہ برآمد کرلیا۔

"صبح میرا بیٹا رو رہا تھا میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا امی نے تھپڑ مارا ہے حالانکہ میں نے یہ خبر اخبار میں پڑھ کر ان سے صرف یہ پوچھا تھا کہ میرے ابو بھی کالم نگار ہیں شہباز شریف صاحب ہمارے گھر کب تشریف لائیں گے؟۔۔۔۔"

۳۔ ایک مریض بابا جی نے جرابوں کے اندر سے نوٹ نکال کر دیئے اور کہا کہ جیب کتروں سے بچنے کیلئے یہ تدبیر کرتا ہوں۔ میں نے اسے یہ رنگ دے دیا۔

"مریض بابا جی اگلے روز ملے تو کہنے لگے، کل بس کے اندر کھڑا تھا ساتھ ایک جیب کترا کھڑے ہوکر میری جیب کاٹنے لگا جیب میں کچھ نہیں تھا مجھے احساس ہوگیا میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور غصے سے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا وہ فوراً میرے قدموں میں گر گیا اور معافی طلب کرنے لگا میں نے معاف کردیا۔ مگر جب گھر پہنچا تو دیکھا جرابوں میں سے نوٹ غائب تھے"۔

یہ تین مثالیں کافی ہیں۔ اب میں اس طرح کی حکایات یا تمثیلات لکھنے کی "وجوہات" آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

۱۔ میرا اولین مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جو ذہنی تناؤ یا ڈپریشن کا شکار ہیں ان کا دل بہلانے اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ لانے کی کوشش کی جائے۔

۲۔ میرا مزاج اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ عام سی بات دیکھ کر یا سن کر میرا ذہن فوراً کسی ایسی بات کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جو "مضحکہ خیز" ہوتی ہے اور میرا یہ جی چاہتا ہے کہ اس کو دوسرے لوگوں کے ساتھ شیئر کرکے اس صلاحیت کا حق ادا کروں۔ میرا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ صلاحیت صرف اپنے آپ ہی کو محظوظ کرنے کیلئے نہیں دی۔

۳۔ معاشرتی برائیوں کی اصلاح، سیاسی لیڈروں کی فریب کاریوں سے عوام کو آگاہ کرنا، کئی دینی راہنماؤں کو غیر محسوس طریقے سے "توجہ دلاؤ نوٹس" دینا ایسے شگفتہ انداز میں کہ طبیعت پر گراں نہ گزرے۔

۴۔ گھر کی چار دیواری کے اندر خواتین اور بچوں کے حوالے سے ایسی باتوں کی نشاندہی کرنا جن کو عام طور پر زیر بحث نہیں لایا جاتا اور جن کی طرف مسلمان خواتین کو اس تحریری سلسلے سے ہی متوجہ کرسکتا ہوں۔

۵۔ میں خود زندگی میں جن آزمائشوں اور مصائب کا شکار رہا ہوں بلکہ ابھی تک ہوں ان کے اثرات بد سے اپنے ذہن کو بچانے اور اس طرح کی تحریروں میں مصروف رہ کر اپنے آپ کو "نارمل" رکھنا گویا یہ تحریریں میرے ذہنی تناؤ کے لیے "سیفٹی والو" کا کام کرتی ہیں۔

ناقدین کا موقف:

قارئین کی اکثریت تو میری تحریروں کو پسند کرنے والوں کی ہے مگر چند حضرات نے ایسی کڑی تنقید کی ہے جس کو نظر انداز کرنا ممکن ہی نہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ حدیث پاک میں ایسے شخص کیلئے بہت سخت وعید آئی ہے جو محض لوگوں کو ہنسانے کیلئے جھوٹ بولے۔ انکے مطابق میں نبی پاک ﷺ کی اس وعید کی زد میں آتا ہوں۔ ناقدین کا موقف یہ ہے کہ اس طرح اپنے تخیل کے ذریعے فرضی واقعات گھڑنا جھوٹ کے زمرے میں آتا ہے جس کی ممانعت قرآن وحدیث میں اظہر من الشمس ہے۔

میرے جوابی دلائل:

۱۔ امت کے اندر ہمیشہ "فرضی واقعات" کو معاشرے کیلئے "مفید" ہونے کی بناء پر قبول کیا گیا ہے۔ اور ان پر "جھوٹ" کا اطلاق کر کے "خلاف شرع" نہیں کہا گیا۔ مثنوی مولانا روم اور شیخ سعدی کی حکایات ان ناقدین کے اصول کے مطابق سراسر من گھڑت شمار ہوں گی حالانکہ دینی کتب جو مدارس کے نصاب میں شامل ہیں ان میں اس قبیل کی دیگر فرضی حکایات بھی پڑھائی جاتی ہیں۔ مثلاً مقامات حریری

۲۔ کسی کو ہنستا دیکھ کر "**اضحك الله سنك**" کی دعا دینا مسنون ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ دین اسلام ہنسی مذاق کا مخالف نہیں ہے۔ نبی پاک ﷺ نے خود بعض مواقع پر سیدھا سنجیدہ سا جواب دینے کے بجائے ارادتاً ایسا شگفتہ انداز اختیار فرمایا جس کے نتیجے میں چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔ مثلاً بڑھیا سے یہ فرمانا کہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی یا ہم تمہیں اونٹ کا بچہ دیں گے وغیرہ گویا دوسروں کو ہنسانا مسنون عمل ہے۔

۳۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کے "فائدے" کیلئے اگر فرضی واقعات گھڑنا (جیسا کہ حکایات رومی وسعدی ہیں) قابل قبول ہے کیونکہ وہ "سنجیدہ باتیں" ہیں تو اس اصول پر مزاحیہ واقعہ کو صرف "مزاحیہ" ہونے کی وجہ سے "جھوٹ" کیوں قرار دیا جاتا ہے۔ کیا مزاحیہ بات افسردہ اور غموں کے مارے لوگوں کیلئے "مفید" نہیں ہے؟ کیا سائیکوتھراپی سے نفسیاتی امراض کا علاج کرنا غلط کام ہے؟

۴۔ کیا جو بات معروف معنوں میں "سچ" نہ ہو وہ لازماً "جھوٹ" ہی ہوتی ہے؟ کیا "**انما الاعمال بالنیات**" کو نظر انداز کر دیا جائیگا اور واضح ممنوعات (تمسخر، غیبت، بہتان، نام بگاڑنا، فحش گوئی، چغلی، ریاکاری وغیرہ) سے بچتے ہوئے مزاحیہ تمثیل بیان کرنا شرعی منکرات میں شامل سمجھا جائیگا؟ اگر حقیقت حال یہی ہے تو کوئی بھی "لطیفہ" اس وقت تک بیان کرنا گناہ کبیرہ ہوگا جب تک اس کے سچ ہونے کا یقین نہ ہو۔

ضروری استدعاء:

مندرجہ بالا ساری گزارشات کا واحد مقصد قرآن وسنت کی روشنی میں فقط یہ معلوم کرنا ہے کہ میری مزاح نگاری شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو میں کالم لکھنا جاری رکھوں گا اور اگر شرعاً ناجائز ہے تو اپنی عاقبت بچانے کی خاطر مجھے فوری طور پر یہ سلسلہ ختم کرنا ہوگا چاہے لوگ اسے پسند کرتے ہوں یا میرا نفس اس کے جواز کا قائل ہو۔

آپ کی طرف سے جلد از جلد جواب کی امید رکھتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وفضل میں اضافہ فرمائے۔ آمین

والسلام مع الاکرام

ڈاکٹر عبدالقدوس ہاشمی

B-466 لین نمبر 12 لالہ رخ واہ کینٹ

drhashmi63@gmail.com

0335-4511440

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامداو مصلیا

صورتِ مسئولہ میں اگر مزاحیہ کالم میں غیبت، چغل خوری، گالم گلوچ، فحش کلامی، لعن طعن اور مخربِ اخلاق باتیں نہ ہوں، نیز ان میں کسی متعین شخص کو تضحیک و توہین اور طنز واستہزاء کا نشانہ نہ بنایا گیا ہو تو تفریحِ طبع یا کسی اور جائز مقصد (مثلاً زبان سیکھنے اور اس میں مہارت پیدا کرنے) کے لیے ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ (دیکھیے عبارات ایک(1) تادس(10))

رہی یہ بات کہ یہ اس حدیث کی وعید میں داخل ہے یا نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
کہ جو شخص لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹ بولے اس کے لیے اس کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے:
(فی سنن أبی داود- 454/4)...عن بهز بن حكيم قال حدثني أبي عن أبيه قال سمعت رسولَ اللهِ -صلى اللهُ عليه وسلم-يقول: «ويل لِلّذى يحدث فيكذب ليضحك به القوم ويل له ويل له»...الخ

اس کا جواب یہ ہے جھوٹ کہتے ہیں نفس الامری حقائق کے خلاف کسی چیز کی خبر دینے کو، لہٰذا اگر کسی کالم میں مضحکہ خیز صورتِ حال پیدا کرنے کے لیے نفس الامری حقائق کے خلاف کسی چیز کی خبر دی جائے (مثلاً کسی شخصِ معین کی طرف غلط واقعہ منسوب کیا جائے وغیرہ) تو وہ جھوٹ ہو گا۔ اور نفس الامر میں جو کچھ وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے، اگر اسے ہی کسی کہانی کا رُوپ دیدیا جائے، تو بظاہر یہ جھوٹ میں داخل نہیں ہے، بشرطیکہ لکھنے والا اس کہانی کو حقیقی واقعہ بنا کر پیش نہ کرے یعنی (دوسرا ہر) کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو

اور جہاں تک فرضی قصہ کہانیوں کی بات ہے، تو اسمیں یہ تفصیل ہے:

قال ابن عابدين: قال ابن حجر المكي: **ومما يستثنى أيضا الكذب في الشعر إذا لم يمكن حمله على المبالغة كقوله: أنا أدعوك ليلا ونهارا، ولا أخلي مجلسا عن شكرك، لأن الكاذب يظهر أن الكذب صدق ويروجه، وليس غرض الشاعر الصدق في شعره، وإنما هو صناعة وقال الشيخان يعني الرافعي والنووي بعد نقلهما ذلك عن القفال والصيدلاني وهذا حسن بالغ** اهـ((حاشية ابن عابدين علي الدرالمختار تحت قوله الكذب الخ - (6 / 427،8))

ترجمہ: علامہ ابنِ حجر مکی ہیثمیؒ نے لکھا ہے:

(جاری ہے۔۔۔۔)

اوراشعار میں بیان کردہ بات کو مبالغہ پر محمول کرنا ممکن نہ ہوتب بھی اس وعید سے اشعار میں خلافِ واقعہ بات کہنا مستثنیٰ ہے، جیسے اس شعر میں ہے:(شعر کا ترجمہ ملاحظہ ہو)

میں تجھے دن رات پکار تا رہتا ہوں، اور میری کوئی مجلس تیرے ذکر اور شکر سے خالی نہیں رہتی۔

شعر میں "خلافِ واقعہ بات" کے اس حدیث سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جھوٹ بولنے والا تو اپنے جھوٹ کو سچ ظاہر کرتا اور اسے رواج دیتا ہے، جبکہ شاعر کا مقصود اپنے شعر میں یہ بتانا نہیں ہوتا کہ میں سچ بول رہا ہوں بلکہ وہ تو ایک کلام کی صناعت ہوتی ہے۔

علامہ ابنِ حجر مکیؒ کہتے ہیں کہ یہ بات امام رافعی اور امام نووی رحمہما اللہ نے امام قفال اور امام صیدلانی سے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ بات بہت اچھی ہے۔انتھیٰ کلامہ

اس بحث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کا مقصود کسی فرضی بات سے جھوٹ کو سچ ظاہر کرنا اور اس جھوٹی بات کو سچی بات کے طور پر پھیلانا نہ ہو تو وہ اس وعید کے زمرے میں نہیں آتا۔

لہٰذا اگر کوئی کالم نگار کسی فرضی واقعہ سے کسی خلافِ واقعہ بات کو بطورِ سچ لوگوں میں مشہور کرنا چاہتا ہے، اور یہ باور کراتا ہے کہ یہ بات یا یہ واقعہ سچ ہے، اور اس کے بیان کرنے کا مقصود یہ ہے کہ لوگ اس بات کو ایک سچی بات یا سچے واقعے کے طور پر قبول کرلیں اور لوگوں کو اس بات کے خلافِ واقعہ ہونے کا علم نہ ہو، تو ظاہر ہے کہ یہ اس وعید کے زمرے میں داخل ہوگا۔ اور اگر اس کا مقصود اس بات کو سچ ظاہر کرنا نہ ہو، بلکہ اس فرضی واقعہ کو کسی مفید غرض سے بیان کر رہا ہو اور قارئین کو بھی اس کے فرضی ہونے کا علم ہو تو بظاہر اس میں حرج کی کوئی بات نہیں ہے۔ واللہ اعلم

وضاحت: آپ نے اپنے جوابی دلائل میں جو باتیں ذکر کی ہیں، اس میں کچھ باتیں غور طلب ہیں، ملاحظہ ہوں:

آپ کا یہ کہنا کہ کسی کو ہنستا دیکھ کر۔۔۔ الخ

(جاری ہے۔۔۔۔)

اگر ہنسی مذاق شرعی حدود میں ہو تو دینِ اسلام اس کا مخالف نہیں ہے، اور واقعۃً سرکارِ دوعالم ﷺ نے جواب میں بعض اوقات شگفتہ انداز اختیار فرمایا، جس سے سامعین محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکے، مگر یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے:

پہلی یہ کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے مزاح میں کبھی کوئی بات خلافِ واقعہ، من گھڑت یا فرضی نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ بات بالکل درست ہوتی تھی، جسے کبھی ~~اندا~~ بعبیر بدل کر لوگوں کا دل خوش کرنے کے لیے تعریضاً بیان فرمایا اور "تعریض" کہتے ہیں "کلام کے ظاہری معنی کے علاوہ کوئی معنی مراد لینا بشرطیکہ وہ معنیٰ من حیث اللغۃ اس لفظ کے محتملات میں سے ہو"۔ (دیکھیے عبارت نمبر22)

قال الغزالي وحينئذ ينبغي أن يكون من قبيل مزاح رسول الله فلا يكون إلا حقا ولا يؤذي قلبا ولا يفرط فيه.....((بحواله مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - (14 / 108))

ترجمہ: امام غزالیؒ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے مزاح کی قبیل سے صرف وہ مزاح ہوگا جو سچ ہو، اور اس سے کسی کو قلبی ایذاء نہ ہو، اور اس میں افراط نہ ہو۔

...وقال في الإحياء: نعم المعاريض تباح بغرض حقيقي كتطييب قلب الغير بالمزاح كقوله - صلى الله عليه وسلم - «لا يدخل الجنة عجوز» وقوله «في عين زوجك بياض» وقوله «نحملك على ولد البعير» وما أشبه ذلك. ((بحواله رد المحتار) - (6 / 428))

ترجمہ: امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ۔۔۔ کسی حقیقی اور درست مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تعریض کرنا جائز ہے، جیسے کسی کا دل خوش کرنے کے لیے مزاح کرنا، جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہیں ہوگی اور فرمایا تمہارے شوہر کی آنکھ میں سفیدی ہے اور فرمایا کہ ہم تو تمہیں اونٹ کے بچے پر بٹھائیں گے اور اس طرح کی چیزیں تعریض ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا علی الاطلاق یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ "گویا دوسروں کو ہنسانا مسنون عمل ہے" اس لیے کہ دوسروں کو خوش کرنے کے لیے شرعی حدود میں دل لگی کی ~~ہلکی~~ بات کرنا زیادہ سے زیادہ مندوب اور مستحب ہے (دیکھیے عبارت نمبر9) اسے سنت کہنا درست نہیں ہے۔ کسی چیز کے سنت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس چیز پر رسول اللہ ﷺ کی مواظبت ثابت ہو، اگرچہ کبھی کبھی اسے ترک بھی کیا ہو، اور مستحب وہ ہوتا ہے جس کے مستحب ہونے کی کوئی دلیل موجود ہو اور علماء نے اسے شرعاً پسندیدہ عمل قرار دیا ہو، اور رسول اللہ ﷺ سے بھی اس پر کبھی کبھی عمل کرنا ثابت ہو۔ (دیکھیے عبارات از نمبر10 تا نمبر13)

(جاری ہے۔۔۔۔)

دار الافتاء

ہر وہ کام یا فعل جسے رسول اللہ ﷺ نے انجام دیا ہو، اس کا سنت ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ بعض افعال تو حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ مخصوص ہیں، اور بعض آپ نے بیانِ جواز کے لیے بھی انجام دیئے ہیں، جن کا درجہ اور مرتبہ مباح سے زیادہ نہیں ہے، ان میں سے ہر ایک کو سنت کہنا درست نہیں ہے۔ (دیکھیے عبارت نمبر 13)

البتہ حسنِ اخلاق، خوش طبعی، اور خندہ پیشانی حضور ﷺ کے مکارمِ اخلاق اور سننِ ہدیٰ میں سے ہے، لیکن حسنِ اخلاق اور چیز ہے، اور اضحاک (یعنی دوسروں کو ہنسانا) اور چیز ہے، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ (سنت اور مستحب کی تعریف عبارت نمبر 10 تا نمبر 13 میں ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے)

1. لما في فيض القدير – (2 / 353)

(إن الله لا يؤاخذ المزاح) أي الكثير المزاح الملاطف بالقول والفعل المازح (الصادق في مزاحه) أي الذي لا يشوب مزاحه بكذب أو بهتان بل يخرجه على ضرب من التورية ونحوها كقول المصطفى صلى الله عليه وسلم لا يدخل الجنة عجوز وذلك الذي في عينه بياض ونحو ذلك.

2 – الدر المختار – (6 / 404،5)

وحديث «حدثوا عن بني إسرائيل» يفيد حل سماع الأعاجيب والغرائب من كل ما لا يتيقن كذبه بقصد الفرجة لا الحجة بل وما يتيقن كذبه لكن بقصد ضرب الأمثال والمواعظ وتعليم نحو الشجاعة على ألسنة آدميين أو حيوانات ذكره ابن حجر.

3 – وفي حاشية ابن عابدين تحته:

(قوله وحديث «حدثوا عن بني إسرائيل») تمامه " ولا حرج " أخرجه أبو داود وفي لفظ لأحمد بن منيع عن جابر «حدثوا عن بني إسرائيل فإنه كان فيهم أعاجيب» وأخرج النسائي بإسناد صحيح عن أبي سعيد الخدري عن النبي – صلى الله عليه وسلم – أنه قال «حدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج وحدثوا عني ولا تكذبوا علي» " فقد فرق – عليه الصلاة والسلام – بين الحديث عنه والحديث عنهم، كما نقله البيهقي عن الشافعي

قوله بقصد الفرجة لا الحجة) الفرجة مثلثة التفصي عن الهم والحجة بالضم البرهان قاموس (قوله لكن بقصد ضرب الأمثال إلخ) وذلك كمقامات الحريري، فإن الظاهر أن الحكايات التي فيها عن الحارث بن همام والسروجي لا أصل لها، وإنما أتى بها على هذا السياق العجيب لما لا يخفى على من

(جاری ہے۔۔۔۔)

يطالعها، وهل يدخل في ذلك مثل قصة عنترة والملك الظاهر وغيرهما، لكن هذا الذي ذكره إنما هو عن أصول الشافعية، وأما عندنا فسيأتي في الفروع عن المجتبى أن القصص المكروه أن يحدث الناس بما ليس له أصل معروف من أحاديث الأولين أو يزيد أو ينقص ليزين به قصصه إلخ فهل يقال عندنا بجوازه إذا قصد به ضرب الأمثال ونحوها يحرر.

(قوله على ألسنة آدميين أو حيوانات) أي أو جمادات كقولهم قال الحائط للوتد لم تخرقني قال سل من يدقني (قوله ذكره ابن حجر) أي المكي في شرحه على المنهاج.

4 – وفى الدر ايضا – (6 / 422)

القصص المكروه أن يحدثهم بما ليس له أصل معروف أو يعظهم بما لا يتعظ به أو يزيد وينقص يعني في أصله، أما للتزين بالعبارات اللطيفة المرققة والشرح لفوائده فذلك حسن.

5 – وفى حاشية ابن عابدين تحته:

(قوله القصص) بفتحتين مصدر قص (قوله يعني في أصله) أي بأن يزيد على أصل الكلام أشياء من عنده غير ثابتة أو ينقص ما يخرج المنقول الثابت عن معناه.

6 – وفى تحفة المحتاج في شرح المنهاج في الفقه الشافعي– (41 / 323)

وَيُؤَيِّدُهُ قَوْلُ بَعْضِ أَئِمَّتِنَا فِي الْحَدِيثِ الصَّحِيحِ { حَدِّثُوا عَنْ بَنِي إسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ } وَفِي رِوَايَةٍ { فَإِنَّهُ كَانَتْ فِيهِمْ أَعَاجِيبُ } هَذَا دَالٌّ عَلَى حِلِّ سَمَاعِ تِلْكَ الْأَعَاجِيبِ لِلْفُرْجَةِ لَا لِلْحُجَّةِ ا هـ وَمِنْهُ يُؤْخَذُ حِلُّ سَمَاعِ الْأَعَاجِيبِ وَالْغَرَائِبِ مِنْ كُلِّ مَا لَا يَتَيَقَّنُ كَذِبَهُ بِقَصْدِ الْفُرْجَةِ بَلْ وَمَا يَتَيَقَّنُ كَذِبَهُ لَكِنْ قَصَدَ بِهِ ضَرْبَ الْأَمْثَالِ وَالْمَوَاعِظِ وَتَعْلِيمَ نَحْوِ الشَّجَاعَةِ عَلَى أَلْسِنَةِ آدَمِيِّينَ أَوْ حَيَوَانَاتٍ.

7 – وفى تحفة الحبيب على شرح الخطيب في الفقه الشافعي – (5 / 266)

ومثله سماع الأعاجيب والغرائب مما لا يتيقن كذبه بقصد الفرجة . بل ولو تيقن كذبه لكن قصد به ضرب الأمثال والمواعظ وتعليم نحو الشجاعة على ألسنة آدميين أو حيوانات ع ش على م ر

8 – وفى بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية – (4 / 374)

(وأشده) أي الكذب (البهتان) هو إسناد ما لم يصدر ووصفه بمكروه لم يكن هو فيه (حد) أحمد (عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أنه قال قال

(جاری ہے-----)

رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم { خمس ليس لهن كفارة }) ساترة إثمها : ({ الشرك بالله تعالى وقتل النفس بغير حق وبهت }) من البهتان ({ المؤمن }) أي قوله عليه ما لم يفعل حتى حيره في أمره وأدهشه فالتقييد بالمؤمن إما لأن الذي ليس كذلك في الشدة لإلحاقه به.....

9 – وفى مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح – (14 / 155)

وفيه مراعاة السجع وهو مباح الكلام إذا لم يكن مقرونا بالتكلف قال وإباحة الدعابة ما لم يكن اثما قلت بل استحبابه إذا كان تطييبا ومطايبة قال وجواز تكنى الصبي ولا يدخل ذلك في باب الكذب قلت لأنه قصد به التفاؤل.

10 – وفى رد المحتار – (1 / 103)

مطلب في السنة وتعريفها

والسنة نوعان: سنة الهدي، وتركها يوجب إساءة وكراهية كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها. وسنة الزوائد، وتركها لا يوجب ذلك كسير النبي – عليه الصلاة والسلام – في لباسه وقيامه وقعوده. والنفل ومنه المندوب يثاب فاعله ولا يسيء تاركه، قيل: وهو دون سنن الزوائد.

ويرد عليه أن النفل من العبادات وسنن الزوائد من العادات، وهل يقول أحد إن نافلة الحج دون التيامن في التنعل والترجل، كذا حققه العلامة ابن الكمال في تغيير التنقيح وشرحه.

أقول: فلا فرق بين النفل وسنن الزوائد من حيث الحكم؛ لأنه لا يكره ترك كل منهما، وإنما الفرق كون الأول من العبادات والثاني من العادات، لكن أورد عليه أن الفرق بين العبادة والعادة هو النية المتضمنة للإخلاص، كما في الكافي وغيره، وجميع أفعاله – صلى الله عليه وسلم – مشتملة عليها كما بين في محله.

وأقول: قد مثلوا لسنة الزوائد أيضا «بتطويله – عليه الصلاة والسلام – القراءة والركوع والسجود» ، ولا شك في كون ذلك عبادة، وحينئذ فمعنى كون سنة الزوائد عادة أن النبي – صلى الله عليه وسلم – واظب عليها حتى صارت عادة له ولم يتركها إلا أحيانا؛ لأن السنة هي الطريقة المسلوكة في الدين، فهي في نفسها عبادة وسميت عادة لما ذكرنا. ولما لم تكن من مكملات الدين وشعائره سميت سنة الزوائد، بخلاف سنة الهدي، وهي السنن المؤكدة القريبة من الواجب التي يضلل تاركها؛ لأن تركها استخفاف بالدين، وبخلاف النفل فإنه كما قالوا ما شرع لنا زيادة على الفرض والواجب والسنة

دار الافتاء

(جاری ہے۔۔۔۔)

بنوعيها؛ ولذا جعلوا قسما رابعا، وجعلوا منه المندوب والمستحب، وهو ما ورد به دليل ندب يخصه، كما في التحرير؛ فالنفل ما ورد به دليل ندب عموما أو خصوصا ولم يواظب عليه النبي - صلى الله عليه وسلم -؛ ولذا كان دون سنة الزوائد، كما صرح به في التنقيح. وقد يطلق النفل على ما يشمل السنن الرواتب، ومنه قوله: باب الوتر والنوافل، ومنه تسمية الحج نافلة لأن النفل الزيادة، وهو زائد على الفرض مع أنه من شعائر الدين العامة، ولا شك أنه أفضل من تثليث غسل اليدين في الوضوء ومن رفعهما للتحريمة مع أنهما من السنن المؤكدة، فتعين ما قلنا، وبه اندفع ما أورده ابن الكمال، فاغتنم تحقيق هذا المحل فإنك لا تجده في غير هذا الكتاب، والله تعالى أعلم بالصواب.

11 – بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية – (1 / 208الى210)

(عن مجاهد) رضي الله تعالى عنه بن جبر التابعي (أنه قال { كنا مع عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما في سفر فمر بمكان فحاد }) بالمهملتين أي أعرض ومال ({ عنه }) أي عن ذلك المكان من حاد يحيد إذا مال وأعرض عن الشيء ({ فسئل }) بالبناء للمفعول ({ لم فعلت ذلك }) الإعراض ({ قال رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فعل ذلك ففعلت ذلك }) اتباعا له وهذا من زيادة متابعته له في جميع أحواله وأعماله وأقواله ومثل هذه السنة العادية يقال لها السنة الزائدة قيل لا حرج في فعل هذه السنة بل فعلها حسن وتركها مكروه كراهة تنزيه ككون ترك السنة المؤكدة قريبا إلى الحرام وموجبا لاستحقاق حرمان الشفاعة لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم { من ترك سنتي لم تنله شفاعتي }.

كذا في التوضيح والتلويح فما في بعض الكتب أن ترك سنة الهدى يوجب كراهة كالجماعة لا ترك سنة الزوائد كسيره صلى الله تعالى عليه وسلم في لباسه وقيامه وقعوده فمحمول على نفي كراهة التحريم لا مطلق الكراهة وإن أوهمه إطلاق النفي وقد ذكروا أن التنزيهي ما لا يمنع عن فعله لكن تركه أولى فكل شيء تركه أولى فتنزيه ففيه نوع تأمل....

12 – تيسير التحرير – (2 / 330)

(وينقسم مطلقها) أي السنة (إلى سنة هدى) وهو ما يكون إقامتها تكميلا للدين كذا ذكره الشارح ويرد عليه أن ما سيأتي من السنن الزوائد كثير منها ما يصدق عليه هذا التعريف إذا قصد به اتباعه - صلى الله عليه وسلم

(جاری ہے-----)

- اللهم إلا أن يقال المنظور قصده - صلى الله عليه وسلم - وهو لم يقصد بالزوائد ذلك (تاركها) بلا عذر(مضلل ملوم كالأذان)للمكتوبات على ما ذهب إليه كثير من المشايخ وذهب صاحب البدائع إلى وجوبه ومال إليه المصنف لمواظبته - صلى الله عليه وسلم - عليه من غير ترك.

13 - بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية - (209/1)

قالوا: إن فعله المطلق يوجب التوقف عند بعض لاحتمال أنه مخصوص به أو زلة وعند الكرخي الإباحة وعند البعض الاتباع

14 - وفى المرقاة للقارى - (14 / 107)

قال رسول الله ويل أي هلاك عظيم أو واد عميق في جهنم لمن يحدث أي لمن يخبر الناس فيكذب أي لا يصدق في تحديثه وإخباره ليضحك بضم أوله وكسر حائه به أي بسبب تحديثه أو الكذب القوم بالنصب على أنه مفعول ثان هكذا في النسخ ويجوز فتح الياء والحاء ورفع القوم ثم المفهوم منه أنه إذا حدث بحديث صدق ليضحك القوم فلا بأس

15 - تحفة الأحوذي - (6 / 497)

(باب فيمن تكلم بكلمة ليضحك بها الناس)

قوله(ويل) أي هلاك عظيم أو واد عميق (ليضحك) بضم أوله وكسر الحاء من الإضحاك (به) أي بسبب تحديثه أو الكذب (القوم) بالنصب على أنه مفعول ثان ويجوز فتح الياء والحاء ورفع القوم ثم المفهوم منه أنه إذا حدث بحديث صدق ليضحك القوم فلا بأس به كما صدر مثل ذلك من عمر رضي الله تعالى عنه مع النبي صلى الله عليه و سلم حين غضب على بعض أمهات المؤمنين. قال الغزالي وحينئذ ينبغي أن يكون من قبيل مزاح رسول الله صلى الله عليه و سلم فلا يكون إلا حقا ولا يؤذي قلبا

فإن كنت أيها السامع تقتصر عليه أحيانا وعلى الندور فلا حرج عليك

ولكن من الغلط العظيم أن يتخذ الإنسان المزاح حرفة ويواظب عليه ويفرط فيه ثم يتمسك بفعل رسول الله صلى الله عليه و سلم فهو كمن يدور مع الزنوج أبدا لينظر إلى رقصهم ويتمسك بأن رسول الله صلى الله عليه و سلم أذن لعائشة رضي الله عنها في النظر إليهم وهم يلعبون (ويل له ويل له) كرره إيذانا بشدة هلكته وذلك لأن الكذب وحده رأس كل مذموم وجماع كل شر

16 - فيض القدير - (6 / 477)

(جاری ہے۔۔۔۔)

(ويل للذي يحدث فيكذب) في حديثه (ليضحك به القوم ويل له ويل له) كرره إيذانا بشدة هلكته وذلك لأن الكذب وحده رأس كل مذموم وجماع كل فضيحة فإذا انضم إليه استجلاب الضحك الذي يميت القلب ويجلب النسيان ويورث الرعونة كان أقبح القبائح ، ومن ثم قال الحكماء : إيراد المضحكات على سبيل السخف نهاية القباحة (حم د) في الأدب (ت) في الزهد (ك) في الإيمان (عن) بهز بن حكيم عن أبيه عن جده (معاوية بن حيدة) وبهز بن حكيم سبق بيان حاله ورواه عنه أيضا النسائي في التفسير.

17 – رد المحتار – (1 / 46)

مطلب في الكلام على إنشاد الشعر.

(قوله: وهو أشعار المولدين) أي الشعراء الذين حدثوا بعد شعراء العرب. قال في القاموس: المولدة المحدثة من كل شيء ومن الشعراء لحدوثهم. وفي آخر الريحانة للشهاب الخفاجي: بلغاء العرب في الشعر والخطب على ست طبقات: الجاهلية الأولى من عاد وقحطان. والمخضرمون. وهم من أدرك الجاهلية والإسلام. والإسلاميون والمولدون والمحدثون والمتأخرون ومن ألحق بهم من العصريين، والثلاثة الأول هم ما هم في البلاغة والجزالة. ومعرفة شعرهم رواية ودراية عند فقهاء الإسلام فرض كفاية؛ لأنه به تثبت قواعد العربية التي بها يعلم الكتاب والسنة المتوقف على معرفتهما الأحكام التي يتميز بها الحلال من الحرام. وكلامهم وإن جاز فيه الخطأ في المعاني فلا يجوز فيه الخطأ في الألفاظ وتركيب المباني اهـ.

(قوله: عن الغزل) المراد به ما فيه وصف النساء والغلمان. وهو في الأصل كما في القاموس: اسم لمحادثة النساء. وعطف عليه قوله والبطالة عطف عام على خاص لأنه نوع منها. فشمل وصف حال المحب مع المحبوب أو مع عذاله من الوصل والهجر واللوعة والغرام ونحو ذلك. قال في المصباح: البطالة نقيض العمالة. من بطل الأجير من العمل فهو بطال بين البطالة بالفتح وحكي بالكسر وهو أفصح وربما قيل بالضم. وذكر ابن عبد الرزاق أنه وجد بهامش المصباح بخط مصنفه ما حاصله: الفعالة بالفتح قد يكون وصفا للطبيعة كالرزانة والجهالة. وبالكسر للصناعة كالتجارة. وبالضم لما يرمى كالقلامة. وقد يضمن اللفظ المعاني الثلاثة فيجوز فيه الحركات الثلاثة، فالبطالة بالفتح لأنه وصف ثابت، وبالكسر لأنه أشبه الصناعة للمداومة عليها، وبالضم لأنها مما يرفض. اهـ. أقول: وعلى هذا يمكن أن يكون إشارة إلى أن المكروه

(جاری ہے-----)

منه ما داوم عليه وجعله صناعة له حتى غلب عليه وأشغله عن ذكر الله تعالى وعن العلوم الشرعية. وبه فسر الحديث المتفق عليه وهو قوله - صلى الله عليه وسلم - «لأن يمتلئ جوف أحدكم قيحا خير من أن يمتلئ شعرا» ، فاليسير من ذلك لا بأس به إذا قصد به إظهار النكات واللطافات والتشابيه الفائقة والمعاني الرائقة، وإن كان في وصف الخدود والقدود، فإن علماء البديع قد استشهدوا من ذلك بأشعار المولدين وغيرهم لهذا القصد. وقد ذكر المحقق ابن الهمام في إشهادات فتح القدير أن المحرم منه ما كان في اللفظ ما لا يحل كصفة الذكور والمرأة المعينة الحية ووصف الخمر المهيج إليها والحانات والهجاء لمسلم أو ذمي إذا أراد المتكلم هجاءه، لا إذا أراد إنشاد الشعر للاستشهاد به أو ليعلم فصاحته وبلاغته. ويدل على أن وصف المرأة كذلك غير مانع إنشاد أبي هريرة - رضي الله عنه - لذلك وهو محرم، وكذا ابن عباس - رضي الله تعالى عنهما -، ومما يقطع به في هذا قول كعب - رضي الله عنه - بحضرة النبي - صلى الله عليه وسلم -:

وما سعاد غداة البين إذ رحلوا ... إلا أغن غضيض الطرف مكحول

تجلو عوارض ذي ظلم إذا ابتسمت ... كأنه منهـــــل بالراح معلول

وكثير في شعر حسان - رضي الله تعالى عنه - من هذا كقوله وقد سمعه النبي - صلى الله عليه وسلم -:

تبلت فؤادك في المنام خريدة ... تسقي الضجيع ببارد بسام

فأما الزهريات المجردة عن ذلك المتضمنة وصف الرياحين والأزهار والمياه فلا وجه لمنعه نعم إذا قيل على الملاهي امتنع وإن كان مواعظ وحكما اهـ ملخصا. وفي الذخيرة عن النوازل قراءة شعر الأدب إذا كان فيه ذكر الفسق والخمر والغلام يكره، والاعتماد في الغلام على ما ذكرنا في المرأة: أي من أنها إن كانت معينة حية يكره، وإن كانت ميتة فلا. اهـ. وسيأتي تمام الكلام على ذلك أيضا قبيل باب الوتر والنوافل إن شاء الله تعالى. (قوله: التي لا يستخف فيها) أي ليس فيها استخفاف بأحد من المسلمين كذكر عوراته والأخذ في عرضه. وفي بعض نسخ الأشباه لا سخف فيها: أي لا رقة وخفة ابن عبد الرزاق

18 - وفي الدر المختار - (6 / 427،8)

الكذب مباح لإحياء حقه ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعريض لأن عين الكذب حرام قال: وهو الحق قال تعالى - {قتل الخراصون} [الذاريات:

(جاری ہے-----)

10]- الكل من المجتبى وفي الوهبانية قال: - وللصلح جاز الكذب أو دفع ظالم ... وأهل الترضي والقتال ليظفروا الخ

19 - وفي حاشية ابن عابدين تحته :

(قوله الكذب مباح لإحياء حقه) كالشفيع يعلم بالبيع بالليل، فإذا أصبح يشهد ويقول علمت الآن، وكذا الصغيرة تبلغ في الليل وتختار نفسها من الزوج وتقول: رأيت الدم الآن. واعلم أن الكذب قد يباح وقد يجب والضابط فيه كما في تبيين المحارم وغيره عن الإحياء أن كل مقصود محمود يمكن التوصل إليه بالصدق والكذب جميعا، فالكذب فيه حرام، وإن أمكن التوصل إليه بالكذب وحده فمباح إن أبيح تحصيل ذلك المقصود، وواجب إن وجب تحصيله كما لو رأى معصوما اختفى من ظالم يريد قتله أو إيذاءه فالكذب هنا واجب وكذا لو سأله عن وديعة يريد أخذها يجب إنكارها، ومهما كان لا يتم مقصود حرب أو إصلاح ذات البين أو استمالة قلب المجني عليه إلا بالكذب فيباح، ولو سأله سلطان عن فاحشة وقعت منه سرا كزنا أو شرب فله أن يقول ما فعلته، لأن إظهارها فاحشة أخرى، وله أيضا أن ينكر سر أخيه، وينبغي أن يقابل مفسدة الكذب بالمفسدة المترتبة على الصدق، فإن كانت مفسدة الصدق أشد، فله الكذب، وإن العكس أو شك حرم، وإن تعلق بنفسه استحب أن لا يكذب وإن تعلق بغيره لم تجز المسامحة لحق غيره والحزم تركه حيث أبيح، وليس من الكذب ما اعتيد من المبالغة كجئتك ألف مرة لأن المراد تفهيم المبالغة لا المرات فإن لم يكن جاء إلا مرة واحدة فهو كاذب اهـ ملخصا ويدل لجواز المبالغة الحديث الصحيح «وأما أبو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه».

قال ابن حجر المكي: ومما يستثنى أيضا الكذب في الشعر إذا لم يمكن حمله على المبالغة كقوله: أنا أدعوك ليلا ونهارا، ولا أخلي مجلسا عن شكرك، لأن الكاذب يظهر أن الكذب صدق ويروجه، وليس غرض الشاعر الصدق في شعره، وإنما هو صناعة وقال الشيخان يعني الرافعي والنووي بعد نقلهما ذلك عن القفال والصيدلاني وهذا حسن بالغ اهـ (قوله قال) أي صاحب المجتبى وعبارته قال - عليه الصلاة والسلام - «كل كذب مكتوب لا محالة إلا ثلاثة الرجل مع امرأته أو ولده والرجل يصلح بين اثنين والحرب فإن الحرب خدعة» ، قال الطحاوي وغيره هو محمول على المعاريض، لأن عين الكذب حرام. قلت: وهو الحق قال تعالى - {قتل الخراصون} [الذاريات: 10]- وقال - عليه الصلاة والسلام - «الكذب مع الفجور وهما في النار» ولم يتعين عين الكذب للنجاة وتحصيل المرام اهـ.

(جاری ہے-----)

قلت: ويؤيده ما ورد عن علي وعمران بن حصين وغيرهما «إن في المعاريض لمندوحة عن الكذب» وهو حديث حسن له حكم الرفع كما ذكره الجراحي " وذلك كقول من دعي لطعام: أكلت. يعني أمس، وكما في قصة الخليل - عليه الصلاة والسلام -، وحينئذ فالاستثناء في الحديث لما في الثلاثة من صورة الكذب، وحيث أبيح التعريض لحاجة لا يباح لغيرها لأنه يوهم الكذب، وإن لم يكن اللفظ كذبا قال في الإحياء نعم المعاريض تباح بغرض حقيقي كتطييب قلب الغير بالمزاح كقوله - صلى الله عليه وسلم - «لا يدخل الجنة عجوز» وقوله «في عين زوجك بياض» وقوله «نحملك على ولد البعير» وما أشبه ذلك. (قوله جاز الكذب) بوزن علم مختار أي بالكسر فالسكون قال الشارح ابن الشحنة، نقل في البزازية أنه أراد به المعاريض لا الكذب الخالص (قوله وأهل الترضي) ليحترز به عن الوحشة والخصومة شارح كقوله: أنت عندي خير من ضرتك أي من بعض الجهات، وسأعطيك كذا أي إن قدر الله تعالى

21 - وفي الفتاوى الهندية - (5 / 352)

لا بأس بالمزاح بعد أن لا يتكلم الإنسان فيه بكلام يأثم به أو يقصد به إضحاك جلسائه كذا في الظهيرية.....وقال بعد اسطر:والكذب محظور إلا في القتال للخدعة وفي الصلح بين اثنين وفي إرضاء الأهل وفي دفع الظالم عن الظلم، ويكره التعريض بالكذب إلا لحاجة كقولك لرجل كل فيقول أكلت يعني أمس فإنه كذب كذا في خزانة المفتين.

22 - بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية - (4 / 393الى 402)

.....ثم قال المصنف (والجد) أي العمد (والهزل فيه) أي الكذب ويشمل المزاح (سواء) في الإثم لكن فيه نوع مخالفة لما ذكر آنفا فافهم (ويجوز الكذب في ثلاث وما في معناها) مما دعا إليه غرض صحيح في درء مفسدة أو جلب منفعة معتد بها لما أثبت حرمة الكذب بالآية والحديث شرع في بيان ما يباح فيه الكذب إما صريحا وهو الثلاثة المذكورة في الحديث أو دلالة وهو ما ذكره المصنف بقوله فيما يأتي والحق إلخ (ت .

عن أسماء بنت يزيد أنها قالت قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم {لا يحل الكذب إلا في ثلاث رجل كذب امرأته ليرضيها}...{ورجل كذب في الحرب }....{ فإن الحرب خدعة }) في تعليله بالخدعة تنبيه على أنه إنما يحل إذا كان للكذب مدار على الخدعة فيه يمكن معرفة وجه تخصيص العلة بالثاني أو للتنبيه على مزيد الحيلة حينئذ { ورجل كذب بين المسلمين }) الظاهر

(جاری ہے-----)

التثنية ({ ليصلح بينهما }) أي ليبدل فراقهما وفاقا وشقاقهما اتفاقا فيلزم كون الكذب بما يتعلق بإيلاف قلوبهما وكذا بين الضرات من النساء بأن يظهر لكل واحدة منهن أنها أحب إليه وإن كانت امرأته لا تطيعه إلا لوعد ما لا يقدر عليه يعدها في الحال تطييبا لقلبها (وزاد في رواية د .

عن أم كلثوم) رضي الله تعالى عنها ({ والمرأة تحدث زوجها }) كذبا لحسن معاشرته واعلم أن هذا الباب لا يفتح إلا بقدر الضرورة لئلا تتعود النفس بذلك وأيضا فيه غرور كثير إذ قد يكون الباعث حظه وغرضه فليعلم أن المقصود هو أهم في الشرع من الصدق أو لا وذلك غامض جدا فالحزم في تركه إلا أن لا يجد رخصة في تركه أصلا ومن هذا القبيل خطأ من ظن جواز وضع الأحاديث في الترغيب والترهيب وهذا خطأ عظيم إذ هذا الغرض لا يقاوم محذور الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لأن ذلك من أكبر الكبائر الذي لا يقاومه شيء (وألحق بهذه الثلاثة) بدلالة النص أو القياس (دفع ظلم الظالم) كمن أخفى مسلما عن ظالم يريد ظلمه أو أخفى ماله وسئل عنه وجب الكذب بإخفائه وكذا نظائره والحاصل أن الكلام وسيلة إلى المقاصد فكل مقصود محمود يمكن تحصيله بغير الكذب وإلا جاز الكذب ثم إن كان المقصود مباحا فالكذب مباح وإن واجبا فواجب كما نقل عن رياض الصالحين للنووي ويؤيده قاعدة "للوسائل حكم المقاصد" لكن يشكل على المقام بقولهم درء المفاسد أولى من جلب المنافع والمصالح وقولهم لا يتحمل الضرر القوي الكل للوصلة إلى النفع الجزئي وقولهم ترجح المفسدة القوية على الضعيفة عند تعارضهما إذ ضرر عدم ذلك المقصود لا سيما عند كونه مباحا ليس بضرر معتد به والكذب كبيرة فانظر (وإحياء الحق) وأيضا نقل عن الرياض ووقع في الجامع خبر { ليس الكذاب } أي ليس يأثم في الكذب { الذي يصلح } بضم الياء{بين الناس}. قال المناوي يعارضه خبر أنه عليه الصلاة والسلام رأى الكذاب يعذب بالنار بالكلاب من حديد قلنا العذاب على الكذاب عام خص منه البعض بهذا الحديث وكذا كل حديث يؤدي إلى خير كما أشار إليه بقوله فينمي أي يبلغ خيرا ويقول خيرا أي يخبر بما عمله من الخير ويسكت عن عمله من الشر فإن ذلك جائز بل محمود بل قد يندب بل قد يجب ثم قال ورخص في اليسير من الفساد لما يؤمل فيه من الصلاح وكل محمود يمكن إيصاله بالصدق والكذب جميعا فالكذب فيه حرام لأن إباحة الكذب إنما هي للضرورة فإذن ليس فيه ضرورة والضرورات تبيح المحظورات وما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها ولهذا قيل الكذب مباح لإحياء حقه ودفع الظلم عن نفسه وفي الحديث

(جاری ہے۔۔۔۔۔)

{ الكذب إثم كله إلا ما نفع به مسلم أو دفع به عن دين } قال المناوي لأنه لغير ذلك غش وخيانة ومن ثمة كان الكذب أشد الأشياء ضررا والصدق أشدها نفعا وقبح الكذب مشهور وأجمعوا على حرمته إلا لمصلحة .

قال الغزالي هو من أمهات الكبائر وإذا عرف الإنسان بالكذب سقطت الثقة بقوله وازدرته العيون واحتقرته النفوس قال ومن الكذب الذي لا إثم فيه ما اعتيد في المبالغة كجئت ألف مرة ومما اعتيد في الكذب أن يقول لا أشتهي الطعام عند تكليف الأكل فذا منهي عنه وحرام إن لم يكن فيه غرض صحيح وقال الراغب الكذب عار لازم وذل دائم فلا يترخص في أدنى كذب بشيء فمن استحله عسر عليه وقال بعض الحكماء كل ذنب يرجى تركه بتوبته إلا الكذب فكم رأينا شارب خمر أقلع ولصا نزع ولم نر كذابا رجع وعوتب كذاب في كذبه فقال لو تغرغرت به وتطعمت حلاوته ما صبرت عنه طرفة عين انتهى (كما في خيار البلوغ) للصغيرة التي زوجها غير أبيها وجدها (تقول) لزوجها (في النهار بلغت الآن وفسخت النكاح مع أنها بلغت بالليل) فأبيح لإحياء حقها وفي الدرر وإن رأته بالليل تختار بلسانها فتقول فسخت نكاحي تشهد إذا أصبحت وتقول رأيت الدم الآن (قيل ومنه) أي الكذب المباح (الوعد والوعيد الكاذبان للصبي إذ لم يرغب في المكتب) وأعرض فيجوز لمصلحة تعلمه قيل فيه نوع ضعف لإمكانه بطريق آخر كالضرب ولذا قال قيل وأورد عليه أن جواز الضرب محل بيان خصوصا فيما دون عشر سنين ولعل لهذا قال نوع ضعف أقول المناقشة في المثال ليس بحسن نعم إن مثل هذا الإمكان يوجد في غيره مما أبيح فيه الكذب . (و) منه (الإنكار لسر الغير) لئلا يفشي سره الذي أودع عنده لأن صدور الأحرار قبور الأسرار (و) منه إنكار (معصية نفسه) لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم { من ارتكب شيئا من هذه القاذورات فليستتر بستر الله } وذلك لأن إظهار المعصية معصية أخرى (و) إنكار (جنايته على غيره لتطييب قلبه) أي قلب المجني عليه وفي الجامع { كل أمتي معافى إلا المجاهرين } أي بالمعاصي كأن يحدث بعض بعضا بعصيانه وجعل منه ما يكون بين الزوجين من المباح { وإن من الجهر أن يعمل الرجل بالليل عملا ثم يصبح وقد ستره الله تعالى فيقول عملت البارحة كذا وكذا وقد بات يستره ربه وأصبح يكشف ستر الله عنه } . (وهذا) الأخير وهو الظاهر (من الصلح) فلا حاجة إلى الإلحاق بل بنص الحديث السابق ونقل عن كتاب البركة في الحرمة ومن الكذب المباح إخفاء ماله ومال أخيه عن المظالم وإنكاره محبة بعض نسائه أكثر من الأخرى وتزيين كلامه لأخيه عند اعتذاره إليه هذا.

(جاری ہے۔۔۔۔)

ثم الأسلم أن لا يفتح هذا الباب إلا بقدر الضرورة لئلا تعود النفس بذلك وأيضا فيه غرور كثير إذ قد يكون الباعث حظه وغرضه فليعلم هل المقصود أهم في الشرع من الصدق أو لا فيزن أحدهما بالآخر فأيهما أشد فيرجحه وإن تساويا فيميل إلى جانب الصدق إذ إباحة الكذب لضرورة أو لمهمة.

(وقيل المباح في هذه المواضع التعريض) قال في مفتاح السعادة ثم السلف قالوا { إن في المعاريض مندوحة عن الكذب } روي ذلك عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما وكذا عن عمر هذا إذا دعته حاجة وإلا فلا يجوز التصريح والتعريض معا ولكن التعريض أهون كقولك الله يعلم ما قلت من ذلك من شيء وكلمة ما عندك للإبهام ويتوهمه المستمع حرف النفي وكان إبراهيم إذا طلبه من يكرهه قال للجارية قولي اطلبه في المسجد وكان لا يقول ليس هو ههنا كي لا يكون كاذبا هذا كله في موضع الحاجة وإلا فمكروه لأنه تفهيم للكذب إلا أن الحاجة في المعاريض خفيفة كتطييب قلب الغير بالمزاح كما قال عليه الصلاة والسلام { لا تدخل الجنة عجوز }. وأما صريح الكذب مطايبة فليس بفسق ولكنه يترك (وهو) أي التعريض (الخامس من آفات اللسان وهو إرادة غير الظاهر المتبادر من الكلام) كالتورية (ولا بد من احتماله المراد بحسب اللغة) كما مر آنفا (ولا يكفي مجرد النية) كأن تقول لا آكل ناويا الخصوص فلا يجوز لعدم العموم كذا في الحاشية لكن فيه كلام يعرف في الفقهية (وهو جائز عند الحاجة) فيه تنبيه على أنه ليس بجائز عند عدم الحاجة إذ مفهوم التصنيف معتبر (كالصور السابقة) من الكذب (عن عمر رضي الله تعالى عنه إن في المعاريض لمندوحة) أي سعة وخلاصا من الكذب (ويكره بدونها) أي بدون الحاجة (وأما الكذب) الصريح (فحرام لا يحل بحال) مطلقا عند ذلك البعض لحصول المقصود بالتعريض عند الحاجة ومن أمثلة التعريض ما في الشرعة أن عليا رضي الله تعالى عنه أرسل بنته إلى عمر بن الخطاب يعرضها عليه ليتزوجها وقال لها قولي له هل رضيت الحلة وأراد به الزوجة أخذا من قوله تعالى { هن لباس لكم وأنتم لباس لهن } - فقال عمر رضيتها ورضا الحلة كناية عن رضا الزوجة (ومن التعريض تقييد الكلام بلعل وعسى وعن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم { المخرج من الكذب }) أي طريق الخروج من الكذب ({ أربع إن شاء الله وما شاء الله ولعل وعسى } كذا في التتارخانية) لا يخفى أن الأولى للمصنف على هذا أن يضم القولين الأولين إلى الأخيرين لعل ذلك ليس من التعريض إذ التعريض ليس بجائز بلا ضرورة وهما ليسا كذلك فافهم (ومن التعريض أن تقول اشتريت هذا بخمسة مثلا وقد اشتريته بستة لأن القليل موجود

(جاری ہے۔۔۔۔)

في الكثير فلا يكون كذبا) بخلاف العكس لأن الكثير ليس بموجود في القليل (وقد يكون ذكر العدد كناية عن الكثرة فلا يراد به خصوصه) أي خصوص العدد بل يراد المبالغة (كما تقول دعوتك سبعين مرة أو مائة أو ألفا فلا يكون كذبا إذا لم يبلغ عدد دعوتك إلى أحد هذه ولكن عدت) تلك الدعوة (بين الناس كثيرة) وإن لم يكن طلبه إلا مرة واحدة أو مرارا ولكن لم تعد بين الناس كثيرة كان كذبا وأما الاستعارة فقال علماء البيان هي تفارق الكذب بالبناء على التأويل ونصب القرينة على خلاف الظاهر

23 – وفيه ايضا – (5 / 294)

(فإذا ضم هذه العشرة) من المبحث الثاني إلى هنا (إلى ما سبق) وهو الستون من آفات النطق (تصير سبعين ولنذكرها جملة ليسهل حفظها كما فعلنا في آفات القلب كفر خوف كفر خطإ كذب غيبة نميمة سخرية سب فحش لعن طعن نياحة مراء جدال خصومة تعريض غناء إفشاء سر خوض في الباطل سؤال مال) مع غنية عنه.....والله سبحانه وتعالى اعلم

الجواب صحيح
عبدہ محمد شہزاد غفرلہ

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی
17/شعبان المعظم/1438ھ
16/اپریل/2017ء

عبدالرحمن

عبدالرحمن غفرلہ ولوالدیہ
دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی
17/شعبان المعظم/1438ھ
14/مئی/2017ء

الجواب صحیح
عبدالحسیب

۱۷-۸-۱۴۳۸ھ

الجواب صحیح
عبدالرحیم عیسیٰ
۱۷-۸-۱۴۳۸ھ